دینی اور دنیوی کامیابی کے آٹھ راہ نما اصول

علماء کرام اور دینی تحریکوں کے قائدین کے لیے

عوام اور علماء ان اصولوں سے غافل کیوں؟

حضرت حاتم اصمؒ جو مشہور صوفی بزرگ اور حضرت شقیق بلخیؒ کے خاص شاگرد ہیں، ان سے ایک مرتبہ حضرتِ شیخ نے دریافت کیا کہ: ''حاتم کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟'' انھوں نے عرض کیا: ''مسلسل تینتیس برس سے''۔ وہ فرمانے لگے کہ: ''اتنی طویل مدت میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟'' حاتمؒ نے عرض کیا: ''آٹھ مسئلے سیکھے ہیں''۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا: ''ان للہ وانا الیہ راجعون. اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے۔ میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہوگئی''۔ حاتم اصمؒ نے عرض کیا۔ ''حضور، صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں، جھوٹ تو بول نہیں سکتا''۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ ''اچھا بتاؤ کہ وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟'' حاتم اصمؒ نے عرض کیا: [۱] ''میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے۔ [بیوی سے، اولاد سے، مال سے، احباب سے وغیرہ وغیرہ] لیکن میں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اس کا محبوب اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے نیکیوں سے محبت کر لی، تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ ہی جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہو''۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا: ''بہت اچھا کیا''۔ [۲] ''میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآنِ پاک میں دیکھا۔ [ترجمہ] ''اور جو شخص [دنیا میں] اپنے رب کے سامنے [آخرت میں] کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو [حرام] خواہشات سے روکے گا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔ لہٰذا میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے۔ میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا''۔ [۳] ''میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے وہ اسے بہت محبوب ہوتی ہے۔ وہ اسے بڑی احتیاط سے رکھتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا کہ [ترجمہ] ''جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا [خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہو گیا] اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے''۔ اس آیت مبارکہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جو میرے نزدیک قابلِ وقعت ہوئی، پسند آئی، وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی، تاکہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے''۔ [۴] ''میں نے ساری دنیا کو دیکھا۔ کوئی شخص مال کی طرف [اپنی عزت اور بڑائی میں]

لوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف یعنی ان چیزوں کے ذریعے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا۔ [ترجمہ] ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''۔ اس بناء پر میں نے تقویٰ اختیار کرلیا، تاکہ اللہ جل شانہ کے نزدیک [قابلِ عزت] شریف بن جاؤں''۔ [۵] ''میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں۔ اور یہ سب کا سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر حسد آتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد دیکھا۔ [ترجمہ] ''دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور [اس تقسیم میں] ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے، تاکہ [اس کی وجہ سے] ایک دوسرے سے کام لیتا رہے''۔ [سب کے سب برابر ایک ہی نمونے کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے، کیوں نوکری کرے اور اس دنیا کا نظام خراب ہو جائے گا] میں نے اس آیت کریمہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ ساری مخلوق سے بے تعلق ہو گیا۔ اور میں نے جان لیا کہ روزی کا بانٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جس کے حصے میں جتنا چاہے، لگائے۔ اس لیے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کے زیادہ یا کم ہونے میں ان کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہ تو مالک الملک کی طرف سے ہے۔ اس لیے اب کسی پر غصہ ہی نہیں آتا۔'' [۶] ''میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے دشمنی ہے۔ میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا، [ترجمہ] ''شیطان بلاشبہ تمہارا دشمن ہے، پس اس کے ساتھ دشمنی ہی رکھو [اس کو دوست نہ بناؤ]'' پس میں نے اپنی دشمنی کے لیے اسی کو چن لیا اور اس سے دور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے دشمن ہونے کو فرما دیا تو میں نے اس کے سوا سب سے اپنی دشمنی ترک کر دی۔ [۷] ''میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے۔ اس کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے۔ اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے، پھر میں نے دیکھا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے [ترجمہ] ''اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے، جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو''۔ میں نے دیکھا کہ میں بھی انہی زمین پر چلنے والوں میں سے ایک ہوں، جن کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کر لیے، جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم ہیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذمے تھی، اس سے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا''۔ [۸] ''میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسا کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے۔ کوئی اپنی جائیداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنی صحت اور قوت پر [کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لوں گا] اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کیے ہوئے ہے، جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے، [ترجمہ] ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل [اور اعتماد] کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے''۔ اس لیے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا کہ: ''حاتم، تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائے۔ میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ عظیم کے علوم کو دیکھا۔ میں نے تمام خیر کے کام انہی آٹھ مسائل کے اندر پائے، پس جو ان آٹھوں پر عمل کر لے، اس نے گویا اللہ تعالیٰ شانہ کے انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات پر یعنی احکام الٰہی اور سنت محبوب الٰہی پر عمل کر لیا۔''

علماء کرام باسی روٹی، سوکھی روٹی کھائیں

تم اے سی اور عیش و آرام میں ہو اسلام خطرے میں ہے

مولانا اسد مدنیؒ

[حضرت مولانا اسد مدنیؒ نے علماء سے اپنے خطاب میں بعض پاکستانی علماء کی پرتعیش زندگی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ علماء کرام انبیاء کے وارث ہیں لہٰذا ان کی زندگی انبیاء کی طرح سادہ اور دنیا سے گریز کی زندگی نظر آئے، لذات دنیا سے تمتع کی حدود بھی رسالت مآبؐ نے اپنے طرز عمل سے واضح فرما دی ہیں جو علماء دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے وہ یقیناً دین کا نقصان کریں گے اور عوام ان علماء کی پیروی میں دین دار نہیں دنیا دار بنیں گے۔ عوام میں دنیا داری کے بڑھتے ہوئے مرض کا اہم سبب بعض دنیا پرست علماء کا پرتعیش طرز زندگی ہے، اس سلسلے میں ساحل جنوری ۲۰۰۶ء کا اداریہ ملاحظہ کیجیے اور وہ احادیث جو کتاب الرقاق میں درج ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے۔ دنیا سے محبت کا فتنہ رفتہ رفتہ دین دار طبقات میں سرایت کر رہا ہے، اس فتنے سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ ہر امت کا ایک فتنہ ہے میری امت کا فتنہ مال ہے، اس فتنے سے بچنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے مستقل بنیادوں پر عملی جدوجہد کی بھی۔]

ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہیے وہ باسی روٹی، سوکھی روٹی کھائیں پیدل چل کر دین کے لیے مصیبت اٹھائیں۔ پاکستان کے علماء اس کے لیے تیار نہیں ہیں، کوئی فکر نہیں، نماز نہیں، جماعت نہیں، مسجد نہیں، دینداری نہیں، علم نہیں اور اس طریقہ سے لوگ مرتد ہو رہے ہیں۔ علماء اپنی نزاکت اور مخملی فرش سے نیچے اتر کر جائیں اور مسجد میں نمازِ جماعت اور دین سکھائیں، اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔

معاف کیجیے گا بڑی بڑی تنخواہ دس دس ہزار روپے کی مدرسے میں ملے تو مدرسے میں پڑھائیں

گے، حضرت مدنیؒ آخری وقت تک پانچ سو روپے تنخواہ لیتے تھے جب کہ اخراجات تو ہزاروں کے تھے، حضرت شیخ الہندؒ کی تنخواہ شوریٰ نے بڑھانی چاہی، پچاس روپے سے کچھ زیادہ کرنی چاہی، حضرت شیخ الہند نے کہا کہ نہیں بھائی میرے سے تو پچاس روپے کا حساب نہیں دیا جائے گا۔ میں تنخواہ بڑھوا کر کیا کروں گا۔ مجھے نہیں چاہیے، بس یہی بہت ہے، آپ جو یہ دیو بند دیو بند پکار رہے ہیں، کیا یہ ٹیلی ویژن سے ہوا، ریڈیو سے ہوا؟ خون پسینہ اللہ کے لیے ایک کیا ہے، تب ہوا ہے کوئی آدمی نہیں ہوتا تیار، ٹی وی سے اور وی سی آر سے اللہ کے راستے میں سب کچھ قربان کریں اللہ مدد کرتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے۔

آج تم دیو بند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیو بند نہیں، ان کے اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا، مرتد ہو رہی ہے نسل اور تیاریاں ہو رہی ہیں کہ کئی کئی ضلعوں کو عیسائی ریاست آپ کے پنجاب میں بنالیں، سازشیں ہو رہی ہیں اور آپ کو فرصت نہیں ہے، اے سی سے نکلنے کی، گرمی میں کہاں نکلیں گے، آپ اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، چھپر کی ہو، کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، سمجھائیں جماعت کے بارے میں ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، یہ اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑے جائیں گے، چھوٹ نہیں سکیں گے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، اسلام ہی مٹ جائے گا، خدانخواستہ تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا، کس کو پڑھاؤ گے، اس لیے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لیے محنت کرو، قربانیاں دو۔

بنگال میں ایک شخص جاتا تھا اور چرچ میں جو وہ کہلوانا چاہتے تھے کہہ دیا کرتا تھا اور پیسے کچھ لے آیا کرتا تھا، پھر گاؤں میں آکر اللہ کے آگے روتا پیٹتا تھا، استغفار توبہ کرتا تھا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تو سچا ایماندار ہوں، پیسے کی مجبوری ہے، غربت ہے کیا کروں کلمہ کفر کہنا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی کسی نے اطلاع مشنری والوں کو دے دی کہ جب یہ گاؤں جاتا ہے تو استغفار توبہ رونا پیٹنا کرتا ہے تو اس کے بعد جب یہ گیا تو اس کو پادری نے کہا تم سچے عیسائی نہیں ہو اور تم جھوٹ بولتے ہو تو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے، چلے جاؤ۔ اب یہ گھر والوں کو مصیبت میں چھوڑ کر آیا تھا کہ پیسے لاؤں گا تو کھانا ہوگا، یہ ہوگا وہ ہوگا، اب کہاں جائے پریشان ہوا، تو اس نے خوشامد درآمد کی اور یہ کہا کہ بھئی جو کہو میں کہہ دوں گا، کہا کہ نہیں نہیں تم ایسے نہیں ہو جب زیادہ کہا تو کہنے لگے کہ جو ہم کہیں وہ کرنا پڑے گا۔ قرآن زمین پر رکھا اور اس شخص کو قرآن پر کھڑا کیا اور یہ کہا کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن جھوٹا اور بائبل سچا ہے۔ یہ جو آج میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، کرسچین لوگ، یہ ہے ان کی حقیقت، آج تم ان کے ساتھ منافقت برتو اور ان کے ساتھ [خلاف] صحیح معاملہ نہ کرو اور اسلام کو غارت کروا دو تو بوسنیا بنے گا کوسوو بنے گا، کوسووا تمہارا پاکستان انڈونیشیا بنے گا اور تم چین سے نہیں

رہو گے اور تمہارے ہی میں سے تیار کیے ہوئے لوگ تمہارے پیٹ میں چھرا ماریں گے، انڈونیشیا کے مسلمانوں کا گوشت کباب بنا بنا کر پکایا ہے۔

دنیا میں دیکھو تو ہو کیا رہا ہے، اسلام کی فکر نہیں اور نسلوں کی نسلیں مرتد ہو رہی ہیں، عیسائی ہو رہے ہیں، یہودی ہو رہے ہیں، قادیانی ہو رہے ہیں اور کوئی توجہ نہیں، میں نہیں کہتا کہ جھگڑا کرو لیکن کم سے کم ان کو دین کی تعلیم تو دو، سمجھاؤ تو سہی نماز باجماعت کا پابند تو کرو، حرام حلال کا پتہ ہو کوئی نظام بناؤ کوئی تنظیم بناؤ اور زکوٰۃ، صدقات خیرات دنیا بھر کے مصرف میں خرچ کرتے ہو، اسلام کے لیے بھی خرچ کرو، ان غریبوں کو تم زکوٰۃ نہیں دو گے تو پھر یہ کرسچنوں کے پاس ہی جائیں گے اور اگر ان کی صدقات خیرات سے مدد کرو گے، بیواؤں کا یتیموں کا غریبوں کا ہاتھ بٹاؤ گے تو پھر یہ تمہاری بات سنیں گے۔ تمہاری بات میں اثر ہوگا۔ بنگلہ دیش میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیکھ کر آئے ہیں، کچھ کام ہو رہا ہے تو تقریباً چالیس پچاس لاکھ روپے کا سالانہ جو کام شروع ہوا ہے، پچاس دنوں میں نظام قائم ہوا ہے اور دنیا بھر سے زکوٰۃ صدقات جمع کر کے ان غریبوں کو دے رہے ہیں اور ان کو اسلام پر پختہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ خود معمولی مدد کرنے پر کہتے ہیں کہ مسلمان اگر ہمیں دیکھیں، ہماری کچھ خبر لیں تو ہم کافروں کے پاس کیوں جائیں، تو اس لیے بھائیو سوچو واقعات تو بہت ہیں میں تفصیل میں نہیں جاتا لیکن آج دنیا سے اسلام کو مٹانے کے لیے اسرائیل اور تمام عیسائی ممالک کروڑوں ڈالر خرچ کر کے لگے ہوئے ہیں۔

تو اللہ کے بندو! دیندار علماء ہفتہ میں ایک دن صرف نکال لو اور کسی ایک گاؤں میں دو چار اس میں ہر ضلعے کو اور مدرسے کے لوگ جائیں اور جا کر پہلی بات یہ کہ نماز اور جماعت اور ہر گاؤں میں یہ کام ہوتا کہ نماز اور جماعت ہو، پانچوں وقت اور بچوں کو دین کی تعلیم ہو سکے اور یہ نگرانی ہو کہ کوئی اسلام دشمن عورت یا مرد اس گاؤں میں نہ آنے پائے، اس کی فکر کرنی چاہیے، کم از کم اتنا تو کرنا چاہیے لیکن وہ مدرسے والے بدقسمتی سے اے سی کولر اور جناب کیا کہوں؟ کیسے ان کو مصیبت اٹھانے کی قربانی کی توفیق ہو، وہ عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام کا بستر بوریا بندھ رہا ہے، آپ کو یہ تکبر ہے کہ ہمارا ملک پاکستان ہے، حالانکہ اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے۔ ضلعوں کے ضلعے ارتداد کے شکار ہیں اور قسم قسم کی تحریکات چل رہی ہیں، کوئی گمراہی ایسی نہیں جو آپ کے ملک میں برآمد نہ ہوتی ہو، آپ کچھ توجہ کیجیے، مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لائیے، بچائیے، اللہ نے آپ کو کاریں بھی دی ہیں، پیسہ بھی دیا ہے، زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں، مدرسوں میں بھی خرچ کیجیے، لیکن غریبوں کی طرف بھی توجہ کیجیے۔

[جامعہ مدینہ لاہور میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی ایک تاریخی تقریر
ماہنامہ القاسم، اشاعت خصوصی، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۴۲۴ تا ۴۳۶]

ہم اپنی اولاد کے بارے میں کیسے اور کیا سوچتے ہیں؟

ایک مالدار باپ کے خواب جو پورے ہوئے

دین داروں کے لیے لمحات فکریہ

منظور احمد نعمانیؒ

میرے عزیز بھائیو! میں اس وقت آپ کو اپنی طالب علمی کے سلسلے کے کچھ واقعات اور تجربات سنانا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ آپ کے لئے کارآمد اور نفع مند ہوں گے، میری طالب علمی کی سرگذشت بعض پہلوؤں سے بڑی سبق آموز ہے۔

ایک دولت مند باپ کی آخرت کے لیے فکرمندی:

آپ میں سے کچھ بھائیوں کو معلوم بھی ہوگا کہ میرا اصل وطن ہمارے اسی صوبۂ یوپی کے ضلع مرادآباد کا مشہور اور قدیم قصبہ سنبھل ہے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی دولت و ثروت اور وجاہت بھی دی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنے خاص رنگ میں گہرے دین دار بلکہ بڑے ذاکر شاغل تھے اور ایک زمانہ میں انھوں نے بہت سخت صوفیانہ ریاضتیں بھی کی تھیں، اس لیے وہ ''صوفی جی'' کے نام ہی سے معروف تھے، بہت سے لوگ ان کا اصل نام جانتے بھی نہیں تھے۔ وہ عالم نہیں تھے، علماء حق سے ان کا تعلق بھی نہیں رہا تھا، بلکہ کچھ ایسے غلط صوفیوں کی صحبت سے متاثر ہوئے تھے، جو غالباً تھے تو مخلص اور نیک نیت لیکن ان کے بعض عقیدے بڑے گمراہانہ تھے، میرے والد صاحب کا بھی اس دور میں یہی حال تھا، مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، وہ اپنی عملی زندگی میں بڑے پکے دین دار، شریعت کے نہایت پابند تھے، دنیا کا کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں بہت کامیاب تھے، لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لیے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو

خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے، اسی واسطے انھوں نے مجھے بھی ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگا دیا۔

بچے کو دینی تعلیم سے کوئی شغف نہ تھا:

لیکن میں کچھ تو اس وجہ سے کہ میری عمر بہت کم تھی اور ابھی میں صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہوا تھا، [اور خاص کر میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر جیسی کتابوں کے ذریعہ تو صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے قابل بالکل ہی نہیں تھا] اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے اندر اس تعلیم کا کوئی شوق اور داعیہ نہیں تھا، میں نہایت بے دلی سے پڑھتا رہا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بس پٹائی کے ڈر سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، وقتی طور پر یاد کر کے سنا دیا کرتا، سمجھتا کچھ نہیں تھا، مجھے یاد ہے کہ کئی سال تک میرا یہی حال رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال میری میزان نئے سرے سے شروع ہوتی تھی، ہمارے سنبھل میں اس وقت تین عربی مدرسے تھے، ہوتا یہ تھا کہ ایک سال تک میں ایک مدرسے میں پڑھتا رہتا، سال ختم ہونے تک میزان منشعب ختم ہو کر کبھی کبھی پنج گنج اور نحو میر بھی شروع ہو جاتی، لیکن والد ماجد اور گھر والے محسوس کرتے کہ میری پڑھائی ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے سال مجھے دوسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں کے استاد جب میرا یہ حال دیکھتے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آیا ہے تو وہ پھر سے وہی میزان شروع کرا دیتے اور پھر میں سال بھر میں میزان منشعب ختم کر کے پنج گنج اور نحو میر تک یا کچھ اور آگے تک پہونچ جاتا، لیکن مجھے آتا نہیں تھا، اس لیے اگلے سال پھر میں تیسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا وہاں کے استاد بھی میری خیر خواہی میں یہی طے کرتے کہ مجھے پھر میزان سے پڑھایا جائے اور پھر میری میزان شروع ہو جاتی، مجھے یاد ہے کہ یہ چکر برسوں تک اسی طرح چلتا رہا اور ہر سال میری تعلیم ''بداں اَسْعَدَک اللّٰہ فِی الدَّارَیْن'' سے شروع ہوتی رہی۔

جب کلکٹر نے پیش کش کی کہ بچے کو کلکٹر بنا دو:

اسی زمانہ میں جبکہ میرے غالباً دو تین سال اسی طرح برباد ہو چکے تھے اور میری عمر قریباً ۱۲ سال کی ہو چکی تھی، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے ضلع مراد آباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو کسی خوش گمانی کی بنا پر میرے والد ماجدؒ کا بہت قدر شناس تھا ایک ملاقات میں والد صاحب سے ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا، والد ماجد نے بتایا کہ خدا کے دیے ہوئے میرے پانچ لڑکے ہیں، اس نے تعلیم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے۔ اس وقت میری عمر اور تعلیم کی منزل ایسی تھی کہ میرے ہی بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا، کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی اس بچہ کو مقامی ہائی اسکول میں

بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہہ دوگا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرادے اور والد صاحب سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلداری دے دوں گا۔ اس زمانہ میں نائب تحصیل داری بڑی چیز تھی، پہلی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا، بس یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی۔ اس سے آگے کلکٹر اور کمشنر تو صرف انگریز ہوتے تھے۔ تو کلکٹر نے والد صاحب کو بہت اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا۔

قبر میں مجھے اولاد کے نیک اعمال کی ضرورت ہوگی:

زندگی بھر اولاد کو کھلاتا رہوں گا یہ دین سیکھ لیں:

والد صاحب نے گھر آ کر یہ قصہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ انھوں نے اس بات کو ماننے کا فیصلہ نہیں کیا لیکن ان کے بعض ملنے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور مجھے اسکول میں ضرور داخل کر دیا جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے والد صاحب کو اس کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، ان کا آخری جواب یہ تھا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی، انشاء اللہ ہمیشہ ان کو کھلاتا اور دیتا رہوں گا۔ ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی، اس لیے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا، جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے، الغرض انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔

والد ماجد نے انگریزی تعلیم دلانے سے انکار کر دیا:

مجھے یاد ہے کہ اس وقت والد صاحب کے اس فیصلے کا مجھے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا جس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے اسکول میں داخل کر دیا گیا تو تھوڑے دنوں کے بعد میں نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن جاؤں گا، اور دوسری اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے کرکٹ کھیلنے کا بیحد شوق تھا، حالانکہ قریباً روزانہ پٹائی ہوتی تھی لیکن کھیل نہیں چھوٹتا تھا، مجھے امید تھی کہ اسکول میں داخلہ کے بعد مجھے اس کی بھی آزادی مل جائے گی۔ لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی فیصلہ سنا دیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھنے کے لیے اسکول میں داخل نہیں کریں گے۔

اس واقعہ کے بعد بھی غالباً کئی سال تک میرا وہی چکر چلتا رہا کہ پڑھنے کے ارادہ کے بغیر پڑھتا رہا، مدرسہ جاتا آتا رہا اور ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی اور نئے سرے سے میری میزان شروع ہوتی رہی۔

عظیم استاد نے دینی تعلیم کی شمع دل میں جلا دی:

پھر ۳۸ھ کی بات ہے جس کو اب باون ۵۲ سال گزر چکے ہیں، اس وقت میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی، والد صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں، اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمالیا، میں ایک حکیم صاحب کا تعارفی خط لے کر ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے [جواب مغربی پاکستان میں ہیں اور میرے خاص محسن استادوں میں ہیں] انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کب سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں اتنے دنوں سے اس طرح پڑھ رہا ہوں۔ اب میں کچھ سمجھ دار ہو چکا تھا، انھوں نے مجھ سے باتیں کیں تو اندازہ کیا کہ میں غبی اور کند ذہن بھی نہیں ہوں، اس سے انھوں نے سمجھ لیا کہ میرا اتنا وقت صرف اس لیے برباد ہوا اور ہو رہا ہے کہ میں نے خود پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ صرف جبراً پڑھ رہا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتادیا کہ واقعہ بالکل یہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ان کے درجے بلند فرمائے، انھوں نے بڑی شفقت اور بے تکلفی سے فرمایا کہ بھئی اب تم خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرو! اگر اب بھی تمہارا ارادہ پڑھنے کا نہ ہو تو ہمیں صاف بتادو، ہم خود تمہارے والد صاحب سے مل کر انھیں سمجھائیں گے کہ وہ تمہارا وقت برباد نہ کریں، کسی اور لائن میں لگائیں۔ اور اگر تمہارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو پھر ہم تمہیں پڑھائیں گے اور انشاء اللہ تم بہت جلدی پڑھو گے اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا، اور میں نے ان سے کہا کہ اچھا! انشاء اللہ اب میں پڑھوں گا، انھوں نے مجھے اس طرح پڑھانا شروع کیا کہ میزان کے چند صفحات مقرر کر کے فرمایا کہ ان کو غور سے دیکھ لو اور ان کا مضمون یاد کر لو، جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لو، دوسرے اسباق سے فارغ ہو کر میں تمہاری جانچ کر لوں گا، اس طرح انھوں نے ۸۔۱۰ دن میں میری میزان منشعب ختم کرادی۔ اور میں نے اب سمجھا کہ میزان منشعب میں کیا ہے، پھر اسی مہینے دو مہینے میں پنج گنج اور نحو میر ختم کرادی میں درمیان سال میں ان کے پاس گیا تھا، اور شعبان تک انھوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہونچا دیا۔ اب میں جی لگا کر اور اپنے ارادہ سے پڑھنے لگا، لیکن اس کے بعد مولانا مفتی محمد نعیم صاحب سنبھل تشریف نہیں لائے اور مجھے پڑھنے کے لیے سنبھل سے باہر بھیج دیا گیا، اس کے بعد چار سال میں میں نے تمام متوسطات پوری کر لیں، اس وقت ہمارے مدرسوں میں منطق وفلسفہ کا بہت زور تھا اس لیے میں نے سب سے زیادہ کتابیں منطق وفلسفہ کی پڑھیں، اور اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہتا تھا۔

دین سے محبت کے باعث والد نے اختلاف کے باوجود دیوبند بھیج دیا:

میں نے اپنے والد صاحب کے بارے میں ابھی بتایا تھا کہ ان کے عقائد کچھ دوسری طرح کے

تھے ان کو ہمارے اکابر دیو بند سے بہت بُعد تھا لیکن نہ معلوم کس طرح ان کے دل میں یہ بات اللہ نے بٹھادی تھی کہ حدیث دیو بند والے ہی اچھی پڑھاتے ہیں اس لیے جب میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ میں اب حدیث شریف پڑھنے کے لیے دارالعلوم دیو بند جانا چاہتا ہوں تو انھوں نے مجھے اجازت دیدی۔ جب یہ بات عام طور سے مشہور ہوئی کہ میں پڑھنے کے لیے دیو بند جاؤں گا تو والد صاحب کے گیارھویں شریف، بارھویں شریف اور عرس کی محفلوں والے یارانِ طریقت نے ان سے کہا کہ صوفی جی! کیا غضب ہے! سنا ہے آپ کا لڑکا دیو بند پڑھنے جائے گا؟ تو وہ صرف یہ فرمادیتے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ہی راستہ پر رہے گا، الغرض انھوں نے اپنی رائے نہیں بدلی اور میں شوال ۴۳ھ میں دارالعلوم آ کر داخل ہوگیا، میں یہاں صرف دو سال باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے رہا۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اخیرین وغیرہ چند کتابیں پڑھیں اور اگلے سال دورہ!

اس عہد میں کیا سادگی تھی:

میں یہاں کے زمانۂ قیام کا اس وقت کا صرف ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ مکان جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا اور اب حضرتؒ کے گھر کے لوگوں کا قیام ہے، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اس میں مطبع قاسمی اور کتب خانۂ قاسمی تھا، جن بیچارے طالب علموں کو مدرسہ میں حجرہ نہیں مل سکتا تھا، ان کو اس کے ایک خستہ سے کمرے میں رہنے کی اجازت دیدی جاتی تھی میں انہی بے چارے کسمپرس طالب علموں میں سے ایک تھا دونوں سال میرا قیام اسی میں رہا، پہلے سال ربیع الاول کا مہینہ تھا اور خوب یاد ہے چودھویں تاریخ تھی، اور اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، عشاء کی جماعت کا وقت قریب تھا، میں اسی مطبع قاسمی میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ اچانک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مطبع قاسمی کا پتہ پوچھتے ہوئے تشریف لے آئے پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی بلکہ وہم وگمان بھی نہ تھا لیکن میرا ذہن منتقل ہوا کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے، ان ہی تاریخوں میں پیران کلیر کا عرس ہوتا ہے یہ وہاں عرس میں تشریف لائے ہوں گے، ان کی پیران کلیر عرس میں حاضری کبھی قضا نہیں ہوتی تھی چنانچہ دریافت کرنے پر یہی بتایا کہ میں کلیر شریف عرس میں آیا ہوا تھا۔

والد محترم کی میرے لیے عجیب وغریب دعا:

نہ تو دولت مند رہے نہ تنگ دست رہے:

غالباً ۵۴ھ میں یعنی اب سے ۳۵۔۳۶ سال پہلے میرے والد صاحب کو حج نصیب ہوا، واپسی پر مجھ سے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لیے کوئی چیز نہیں لایا۔ میں نے ایک دعا تیرے واسطے کی ہے اور وہ یہ

کہ تیرے پاس کبھی دولت نہ ہو اور تجھے کبھی تنگی اور تکلیف نہ ہو اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قبول ہوگی، اس بات کو ۳۵۔۳۶ سال ہو گئے ہیں آپ کے سامنے اس بات کا اظہار بہتر سمجھتا ہوں کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ بالکل یہی ہے میرے پاس دولت کبھی نہیں ہوئی اور الحمدللہ زندگی کی ان تکلیفوں سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا جو افلاس اور تنگی کی وجہ سے اللہ کے بندوں کو ہوتی ہیں، مالک کے فضل وکرم سے میری زندگی بڑی راحت اور عافیت کے ساتھ گزرتی ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں ڈپٹی کلکٹر ہوتا اور میری تنخواہ ہزار یا اس سے بھی اوپر ہوتی تو زندگی کی وہ راحتیں مجھے نصیب نہ ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے نصیب ہیں۔

دینی تعلیم کا حصول سب سے بڑی دولت مندی ہے:

دین سے محبت کوٹھی، دولت اور موٹر کو حقیر کر دیتی ہے:

اگر اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب فرمائے اور نیت اور عمل صحیح ہو تو آپ سے اور ہم سے بڑا دولت مندی اور خوش نصیب کوئی نہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے علمبردار اور حضور کے سپاہی اور لشکری ہیں۔ اگر اپ اس حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لیں تو پھر آپ کو کسی دنیوی اعزاز اور عہدہ کی طمع نہ ہوگی اور اہل دنیا اور دولتمندوں کی شاندار کوٹھیاں اور موٹریں دیکھ کر آپ کو کوٹھی اور موٹر نہ ہونے کی حسرت نہ ہوگی، پھر آپ کا احساس اور اذعان یہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت بلکہ ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جس کا آپ کو علم ہے وہ ان کوٹھیوں اور موٹروں سے ہزاروں درجہ زیادہ قیمتی ہے۔ ہمیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں اور گناہوں کے لحاظ سے تو اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیے، لیکن علم نبویؐ اور ورثۂ نبویؐ کی نسبت سے برتر اور بالاتر سمجھنا چاہیے اور اس نعمت پر خدا کا بے حد شکر ادا کرنا چاہیے۔

[حضرت مولانا منظور احمد نے ۱۳۹۰ھجری میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء سے خطاب فرمایا تھا اور وہاں دین ودنیا کی اہمیت ضرورت اور مراتب کا فرق نہایت سادہ لفظوں میں بیان فرمادیا تھا یہ خطاب آج بھی تروتازہ ہے۔ اگر دینی مدارس کے طلباء بھی طلب دنیا، طلب زر کے لئے اپنا تمام وقت صرف کر دیں تو یہ خود اسراف تبذیر کی خطرناک شکل ہوگی افسوس کہ عصر حاضر میں دنیا کا فتنہ کثرت سے برپا ہے اس فتنے کی بیخ کنی کا اصولی، عملی اور علمی دینی طریقہ کار مولانا منظور احمد نعمانی نے اپنے خطبہ میں بیان فرمایا ہے]۔

دینی تحریکوں میں رابطہ کی ضرورت: حکمت عملی

تمام دینی کاموں میں تطبیق کی ضرورت

دین کی حفاظت واشاعت، مسلمانوں میں نیکیوں اور اچھائیوں کا ذوق وشوق، برائیوں وگناہوں سے نفرت وبیزاری کا رجحان پیدا کرنے کے سلسلہ میں جو جدوجہد اور کوششیں جاری ہیں خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہوں، ان کی ضرورت وافادیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بلکہ ان کی اہمیت مسلم، اسی کے ساتھ اس سلسلے میں ہونے والے کاموں کو اگر دیکھا جائے تو ان میں بظاہر نہ یکسانیت ہے نہ ہی یگانگت بلکہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ ہر ایک کا انداز بالکل جداگانہ، ہر ایک کے طریقہ کار کا رنگ ڈھنگ بالکل علیحدہ، ہر ایک کے اپنے اصول ہیں، ضوابط ہیں، مستقل نظام ہے۔ ایسی صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ دینی مراکز و مجالس، تحریکوں وتنظیموں اور اداروں میں باہمی ربط وتعلق ودینی کام کرنے والوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ طرز عمل اور رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

تبلیغ، تعلیم، تزکیہ، دین کے بنیادی شعبہ ہیں:

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ قرآن پاک کی جن آیات میں نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے بلند مقاصد واغراض کو بیان کیا گیا ہے، ان میں بنیادی طور پر تبلیغ، تعلیم، تزکیہ ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم، [اللہ] وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ **یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة**: جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب ودانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں، ان کاموں کا آپ کے فرائض نبوت میں سے ہونا اس بات کو بتا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں، جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اصل مقصود یہ ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کی حیثیت ضمنی اور ثانوی ہے، یہ اہم ہے اور یہ غیر اہم، مرتبہ کے اعتبار سے اس کا درجہ زیادہ ہے اور اس کا کم ہے۔

تفاضل کا ضابطہ اور اس کا تقاضہ:

اور یہ فیصلہ کیا بھی کیسے جاسکتا ہے کیونکہ ایک کو افضل دوسرے کو مفضول، اور ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر ترجیح کا ضابطہ ایسی چیزوں میں ہوتا ہے، جو ایک ہی نوع کی ہوں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ انواع کے اعتبار سے الگ الگ ہوں تو پھر ان میں تفاضل وترجیح کا سوال نہیں ہوتا۔

آنکھ بہتر ہے یا کان، زبان بہتر یا عقل دل یا دماغ؟

دینی تحریکوں کا معاملہ خدمت دین میں یہی ہے:

تفاضل ایک نوع میں ہوتا ہے، نہ کہ دونوع میں، کوئی اگر سوال کرے کہ آنکھ بہتر ہے یا کان بہتر ہے، یا زبان بہتر ہے، تو جواب دیا جائے گا کہ ہر ایک ان میں ضروری ہے، ان میں تفاضل کا سوال ہی غلط ہے۔ کیونکہ یہ الگ الگ نوع ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں آنکھوں میں جو زیادہ دیکھتی ہے، وہ افضل ہے، اور دونوں کانوں میں جو زیادہ سنتا ہے وہ افضل ہے، اس مثال سے اب یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ تعلیم و تبلیغ، تزکیہ میں کس کی ضرورت زیادہ ہے، یہ سوال مناسب نہیں، کیونکہ یہ انواع مختلفہ ہیں، انواع مختلفہ میں تفاضل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر ایک کی ضرورت ہے ''تبلیغ بھی ضروری تعلیم بھی ضروری، تزکیہ بھی ضروری''۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر تینوں ہی کام مقاصد میں سے ہیں، اپنی اپنی جگہ اہم وضروری ہیں، کسی ایک سے بھی تغافل و پہلوتہی نہ ہونا چاہیے، نہ کسی کو معمولی وگھٹیا سمجھنا چاہیے، سبھی شعبوں کی آبیاری ہونا چاہیے، جب تک یہ تینوں کام نہ انجام دیے جائیں، سعی وکوشش کرکے ان کو زندہ نہ کیا جائے، اس وقت تک کار نبوت کی پورے طور پر نہ تو انجام دہی ہوگی، نہ ہی یہ امت اپنے فرائض وذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگی، بلکہ جس شعبہ سے تغافل ہوگا اس پر مواخذہ ہوگا۔

صرف تبلیغ رصرف تعلیم رصرف تزکیہ رصرف انقلاب رصرف جہاد کافی نہیں:

یہ تینوں اگرچہ دیکھنے کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، لیکن حقیقت کے لحاظ سے آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط وجڑے ہوئے ہیں کہ انسانی زندگی میں کمال وخوبی جبھی آئے گی، جب یہ تینوں کام ہوں، کسی ایک سے بھی پہلوتہی کرلی جائے تو نقص وکمی کا ہونا لازمی ہے، کیونکہ تبلیغ وتعلیم سے ایمان وعقیدہ، علم وعمل وجود میں آتا ہے اور تزکیہ سے اخلاص واحسان اور اعمال میں قبولیت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ان کے بغیر انسان کی کامیابی وفلاح کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے، جب ان کا وجود تبلیغ، تعلیم، تزکیہ سے ہے تو یہ تینوں ہی ضروری ہوئے۔ ایسی صورت میں ان میں ہر ایک کے بارے میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نافع ہے، یہ مفید ہے، لیکن کسی ایک کو کافی نہیں کہا جاسکتا، کافی اسی وقت ہوگا جب تینوں کام ہوں، اس لئے اپنی حیثیت ووسعت کے موافق جس کو جس کام سے مناسبت ہو اس میں تعاون کرنا چاہیے، جو جس شعبہ میں

لگا ہوا ہے وہ دین ہی کا کام کر رہا ہے، دین کا کام کرنے والے باہم ایک دوسرے کے رفیق ومعاون ہیں، آپس میں ہمدردی کا معاملہ، خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے، باہمی نصرت ومدد کی فکر وکوشش ہونا چاہیے، ایک دوسرے کی خدمت کو سراہنا اور ترقی سے خوش ہونا چاہیے۔

مختلف دینی تحریکیں امت کے مختلف اعضاء ہیں:

ہر انسان کے جملہ عضو گوالگ الگ خدمت انجام دے رہے ہیں، مگر کوئی انسان اپنے کسی عضو کو حقیر نہیں سمجھتا اور نہ ان کی خدمات کے اندر تفاضل وتقابل کرتا ہے، اور نہ ایک دوسرے کا حریف وفریق بناتا ہے۔ اسی طرح دین ایک جسم ہے، اس کے اجزاء الگ الگ ہیں، کوئی تعلیم کے لئے مدرسہ میں لگ گیا، کوئی تبلیغ میں لگ گیا، کوئی تزکیہ کے لئے خانقاہ میں لگ گیا، پس دین کے ہر جزو کے خادموں کو آپس میں ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کا حق کیسے، اور آپس میں تفاضل وتقابل اور فریق وحریف بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مخلصین اولیاء کرام نے ہر دین کے خادم کا اکرام کیا ہے، تعاونوا علی البر کا حکم دیا گیا ہے، ہر ایک دوسرے کی نصرت کرے جس قدر ممکن ہو، ہماری تقریر ہو، ہمارا مدرسہ چلے، ہماری جماعت آگے بڑھے، یہ کیا ہے؟ دین کو آگے رکھیے، اپنے کو آگے نہ کیجیے۔ اگر کسی اور کی تقریر سے نفع زیادہ ہو یا کسی اور کے مدرسے سے بھی کام دین کا ہو تو حسد اور جلن کیوں ہو؟''۔ ہر خادم دین اور خادم مدرسہ کو چاہیے کہ دوسرے خدام کو اپنا رفیق سمجھے، فریق نہ سمجھے، جیسے ریل کا محکمہ کہ ٹکٹ دینے والا اور گارڈ۔ ٹی ٹی اور سگنل دینے والا سب ایک دوسرے کو ریلوے کا ملازم سمجھ کر آپس میں اپنے کو ایک دوسرے کا رفیق اور مددگار سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کا لحاظ و مراعات رکھتے ہیں۔ حسد کی بیماری آپس میں تقابل سے پیدا ہوتی ہے، پس خدام دین اور ارباب مدارس کو اپنے اپنے کاموں کا تعارف تو کروانا چاہیے لیکن تقابل نہ کروانا چاہیے کہ اس سے دوسرے دینی خدام کی تحقیر ہوتی ہے جو منافرت کا سبب بنتی ہے اور پھر آپس میں حسد کی بیماری لگ جاتی ہے۔

دینی تحریکوں شخصیات میں رقابت، غیریت اور بدخواہی کیوں؟

سردست دینی تحریکوں واداروں اور ان سے وابستہ افراد میں باہمی ربط وتعلق کی جو نوعیت ہے، وہ بڑی عجیب وغریب ہے، آپس میں مخلصانہ وہمدردانہ تعلق وتفاضل کا معاملہ ایک دوسرے سے رفاقت وتعاون کے بجائے رقابت وغیریت، خیر خواہی وخیر اندیشی کے بجائے بدخواہی وبد اندیشی، خود جس کام میں ہے وہ تو دین کا کام اور بقیہ جو دینی محنتیں اور کام ہو رہے ہیں وہ فضول وبے کار، یہ انداز فکر کس قدر خطرناک ہے، آج جب کہ باطل مختلف شکلوں اور حربوں کے ساتھ صرف حملہ اور ہی نہیں ہے، بلکہ سب کے سب اسلام دشمنی کے متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو کر من کل حدب ینسلون [ہر ٹیلے ٹاپوں سے ابلے چلے آرہے ہیں] کا مصداق ہیں، ایسے نازک موقعہ پر اہل حق دینی کام کرنے والوں میں اس طرح کی صورت حال کتنی افسوسناک وتشویشناک ہے، ضرورت ہے کہ

آپس میں محبت والفت کا ماحول رکھا جائے، تاکہ تعلقات خوشگوار رہیں، باہم میل جول رہے، کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے تو صبر وتحمل وایثار سے کام لیا جائے، افہام کا راستہ اختیار کر کے ایک دوسرے کی طرف سے دلوں کو صاف رکھا جائے، حدود میں رہ کر دوریوں کو نزدیکیوں سے بدلا جائے، تعاونوا علی البر والتقوی کی فضا قائم کی جائے، اس سلسلہ میں ماضی قریب کی دو مقتدر اور داعی الی اللہ شخصیتوں کی تقریر کے اقتباسات جو کہ اہم بھی ہیں اور مفید بھی ہیں، ان کو پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

کسی دینی کام یا دینی تحریک کو رقیب وحریف نہ سمجھو:

''اس کام [دعوت وتبلیغ] کے علاوہ اور دینی کام اور دینی سلسلے ہیں، مثلاً دینی مدارس و مکاتب اور دوسرے دینی ادارے ہیں، ان سب کی دل سے قدر وعزت کی جائے اور ان کے ساتھ ہمارے دلوں میں ہمدردی اور خیر خواہی اور اللہ کے ان بندوں کی پوری عظمت ہو، جو اخلاص کے ساتھ دین کے ان سلسلوں میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی کوششیں ان کے لئے صرف کر رہے ہیں، اگر ہم نے صرف اپنے کام کو دینی کام سمجھا اور دوسرے دینی کاموں اور ان کے چلانے والوں کے متعلق ہمارے دلوں میں خدانخواستہ رقابت والے جذبات ہوئے تو یہ ہماری بڑی گمراہی اور بدنصیبی ہوگی بلکہ خدمت دین کے ضمن میں یہ ہماری بے دینی ہوگی، خاص کر علماء ربانی اور اہل اللہ کا ہم اپنے کو خادم بلکہ کشف بردار سمجھیں اور ان کی صحبت سے استفادہ کے لئے گاہ گاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کریں، اور ان سے تعلق بڑھانے کو اپنی حاجت سمجھیں''۔ [مولانا منظور نعمانی، ماہنامہ الفرقان، شمارہ نمبرے، ج۱۹] ''ایک اصول ہمارا یہ ہے کہ اس کام [دعوت وتبلیغ] کے سوا اہل حق کے جو دوسرے دینی کام اور دینی تحریکیں اور دینی ادارے ہیں ان کو رقیب وحریف نہ سمجھا جائے، بلکہ ان سب کی قدر کی جائے، اور ان کے لئے اور زیادہ مفید ہونے اور پھولنے پھلنے کی اور غلطیوں سے محفوظ رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں۔

دین کو ہر قسم کی دینی تحریکوں و جماعتوں کی ضرورت ہے:

دین کو دراصل سب کاموں کی ضرورت ہے، اس زمانے میں دین کی ضرورتیں اتنی بڑھ گئی ہیں اور اتنی پھیلی ہوئی ہیں کہ کوئی ادارہ اور کوئی سلسلہ اور کوئی جماعت اور کوئی تحریک ان سب ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی، ذرا سوچئے تو، ہمارے ہزاروں دینی مدرسے جو تعلیمی کام کر رہے ہیں اور حضرات مشائخ حق کے ذریعہ اللہ کے ذکر وفکر کی جو گرمی ہے اور اہل حق کے جو مختلف دینی ادارے اور دینی جماعتیں دین کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جو کچھ کر رہی ہیں، اگر یہ سب کرنا چھوڑ دیں تو کتنی بڑی کمی ہو جائے گی اور کیسا اندھیرا ہو جائے گا اور پھر کوئی بھی جماعت ان سب کاموں کو سنبھال سکے گی؟

تمام دینی کاموں، جماعتوں تحریکوں کی قدر کریں:

دوسری جماعتوں اور دوسرے اداروں کی خدمات کی قدر اور اعتراف نہ کرنا اور کسی اختلاف

کی وجہ سے بس ان کو تنقید کا نشانہ بنائے جانا، یہ اس وقت کی بڑی مہلک بیماری ہے، اور شیطان کو اس معاملہ میں بڑی کامیابی ہوئی ہے کہ اس نے جماعتوں اور پارٹیوں کا یہی مزاج بنا کر امت کے کارکن طبقوں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے، اب ایک کے ذریعہ دوسروں کی برائیاں اور غلطیاں تو منظر عام پر آ رہی ہیں لیکن خوبیوں کا کہیں چرچا نہیں، بہرحال ہماری اس دینی دعوت کا اصول یہ ہے کہ ہم سب دینی کاموں کی قدر کریں اور اگر اپنی مشغولیت کی وجہ سے دینی کام ہم خود نہیں کر سکتے تو ان کے کرنے والوں کا احسان مانیں اور ان کے لئے دعائیں کریں''۔[ماہنامہ الفرقان، شمارہ ۳، ۴، ۵۔ ج ۲۰]

کوئی دینی تحریک جماعت حلقہ تمام طبقات کو متاثر نہیں کر سکتا:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ: ''اگر ہماری تحریک [دعوت و تبلیغ] کی ہم عصر دینی تحریکیں یا ادارے مخصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے ہیں اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے، بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہیے، ان کی کامیابی کی دعائیں دینی چاہیے، اور ان سے تعلقات بڑھانا چاہیے، اس لئے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انھوں نے ہم کو یہ موقع دیا ہے کہ ہم دوسرے کاموں سے مطمئن و یکسو ہو کر اپنا کام کریں، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ مدارس کے لئے دعائیں کرتے تھے، اور اپنے خاص محبین کو ان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے، بہت سے مدارس کی آمدنیاں اس تبلیغی تحریک کی وجہ سے بڑھ گئی تھیں، مولانا اپنے اہل تعلق کو اس کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے کہ علماء کی ملاقات کے لئے جایا جائے، ان سے تعلقات بڑھائے جائیں اور ان کے حقوق [اکرام و محبت و تعاون] ادا کئے جائیں، ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے، اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے، اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے۔

ایک واحد طریقے سے ہر مقام و جگہ کامیابی محال ہے:

سب ایک کام کریں اور مخصوص طرز پر کریں ممکن نہیں:

کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جا سکتا ہے، اس طرح ایک واحد طریقہ سے ہر جگہ ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے، اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق چلنے میں لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں، لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص انھیں کے مخصوص طرز پر کام نہ کرے، اور سب ایک ہی کام نہ کرنے لگیں حالانکہ عمومی اور انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز

اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے پر بٹھائی جاتی ہے، ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ دوسروں سے ممتاز ہے، جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے، ہم کو تو دوسری دینی کوششوں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انھوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے، جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے، یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستہ میں دین تک آجائیں اور کچھ اُس راستہ سے آجائیں۔[ماہنامہ الفرقان، شمارہ ۳،۴،۵۔ج ۲۰]

دینی کام کرنے والے ایک دوسرے کے لیے محبت اور دعائیں کریں:

دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط وتعلق، انسیت وقربت کے لئے درج ذیل امور کا اہتمام انشاء اللہ مفید ہوگا۔۱۔ایک دوسرے کے لئے دعاؤں کا اہتمام اور آپس میں ایک دوسرے سے اسی کی گذارش کرنا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے لئے دعا گو سمجھے گا، جس سے باہمی انسیت پیدا ہوگی، جو کہ آپس میں بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے ازالہ اور باہمی محبت وقربت کا ذریعہ ہوگی، اس کا مناسب طریقہ محی السنہ نور اللہ مرقدہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اکابر کی برکت سے میرے قلب میں طریقہ القاء فرمایا کہ مدارس کے احباب صرف اپنے مدرسہ کے لئے دعا نہ کریں، بلکہ یوں دعا کریں، ''یا اللہ جو لوگ دین کا کام کر رہے ہیں خواہ تبلیغ میں ہوں یا تعلیم میں ہوں یا تزکیہ یعنی اصلاح نفس میں ہوں، سب کو اخلاص کے ساتھ اصول صحیحہ کے موافق مشغولیت کی توفیق عطا فرما اور ان سب کی خدمات قبول فرما، جملہ خدام دین کو صحت وقوت واخلاص عطا فرما۔ ۲۔جس میں کمزوریاں وغلطیاں نظر آئیں، ان پر نہ تو تنقید وتبصرہ، کیا جائے، نہ ہی اپنی مجالس ومحافل کا اس کو موضوع بنایا جائے، نہ ہی اس کی تشہیر کی جائے، بلکہ خیر خواہی وہمدردی کے جذبہ کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکر وکوشش کی جائے، اسی کے ساتھ جن لوگوں سے اصلاح ہوسکتی ہے، مناسب عنوان سے ان کو متوجہ کر دیا جائے۔۳۔آپس میں حسب موقع ملاقات پر ایک دوسرے کی کارگذاری اور کام کی تفصیلات معلوم کر کے خوشی ومسرت کا اظہار کیا جائے اور اگر کوئی مشکل مواقع درپیش ہو تو حتی الامکان اس کے حل کرنے کی مناسب تدبیر بطور مشورہ بتادی جائے۔۴۔اپنے اپنے علاقہ پر دینی اعتبار سے نظر رکھی جائے، جہاں جس نوع کے کام کی ضرورت محسوس ہو، اس کے لائق ومناسب جو افراد ہوں، ان کو اس کی طرف توجہ کر کے اپنی حیثیت وبساط کے موافق ان کا تعاون ونصرت کی جائے۔۵۔اپنے اپنے کام کا تعارف اور اس کے لئے ترغیب دی جائے، اس طرح کہ دوسرے کاموں کے مقابلہ میں نہ تفاخر ہو اور نہ ہی کسی کی تحقیر ہو، بلکہ حسب موقعہ دوسرے کاموں کی بھی اہمیت وضرورت کا اعتراف اور کشادہ دلی کا ثبوت ہو۔اللہ رب العزت ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[آمین]